پاکستان بھر کے دارالافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی)
کے مفتیانِ کرام و علمائے کرام کی نشست میں ہونے
والے بیان کے نکات بنام:

لَمعَۃُ الضِّیَاءِ فِی تَعَلُّمِ آدَابِ الْاِفْتَاءِ

فتویٰ نویسی سیکھنے کے چند رہنما اُصول



شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد قاسم عطاری مدظلہ العالی

پیش کش: مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ:

دعوتِ اسلامی کے نہایت اہم علمی شعبے دار الافتاء اہلسنت سے منسلک علمائے کرام کی تربیتی نشستوں کا وقتاً فوقتاً سلسلہ ہوتا رہتا ہے۔ اسی سال 13، 14 مئی 2024 کو عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ (کراچی) میں نشست منعقد ہوئی۔

اس نشست میں مفتیانِ کرام دامت برکاتہم العالیہ نے روحانیت، تصوف، باطنی اُمور اور فقہ وغیرہ ظاہری عُلوم کے حوالے سے انمول خزانے سے مشرف کیا۔

شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد قاسم عطاری زید مجدہ الکریم نے علمائے کرام کی تربیت فرمائی اور ایک مفتی اور عالم دین کو کس کس طرح محنت، علمی و عملی اقدامات کے ذریعے ترقی کی منازل طے کرنی چاہییں؟ اس کے مدِ نظر ہمیشہ کیا چیز ہونی چاہیے؟ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ کس طرح کا ہونا چاہیے؟ اس کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ وقت کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ کامیابی کے لیے اصول یا طبیعت کے مطابق کام کرنا ہو گا؟ مختلف قسم کے بِکھرے ہوئے کاموں کو کیسے کیا جائے؟ ناکامی کی سب سے اہم وجہ کیا ہے؟ طویل مشقت کس طرح کی جائے؟

ظاہری اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ایک عالِم دین اور بالخصوص افتاء کے شعبے سے تعلق رکھنے والے، فتویٰ نویسی کرنے والے حضرات کے لیے کیا چیز ضروری ہے؟ ایک عالِم اور مُفتی کا اپنے پروردگار کے ساتھ تعلق کس طرح کا ہونا چاہیے؟ عالِم ربانی کسے کہتے ہیں؟ اور اس کا حصول کیسے ممکن ہے؟ ان تمام معاملات پر بڑے احسن انداز سے قبلہ استاذِ محترم نے بیان فرمایا ہے، افادہ عامہ کے لیے یہ رسالہ بنام "لَمۡعَةُ الضِّیَاءِ فِی تَعَلُّمِ آدَابِ الۡاِفۡتَاءِ" شائع کیا جارہا ہے، تاکہ دیگر علمائے کرام، طلباء و طالبات، دینی شغف رکھنے والا ہر خاص و عام شخص اس سے استفادہ کر

سکے۔ اللہ پاک ہم سب کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری مدنی

دار الافتاء اہلسنت (اقصیٰ مسجد، کراچی)

14صفر المظفر 1446ھ/20اگست 2024ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد قاسم صاحب دامت برکاتھم العالیۃ کا دار الافتاء اہلسنت

کی دو روزہ تربیتی نشست میں ہونے والا بیان

ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے علمی اعتبار سے اُس بلند مقام و مرتبے تک پہنچنا ہے کہ ہم حقیقتاً علمی اعتبار سے لوگوں کو شریعت کے احکام "**مفتی**" کے طور پر بتا سکیں۔ کسی کو معلوم مسئلہ بتا دینا جدا چیز ہے، جو ہر امام مسجد یا صاحبِ علم بھی بتا سکتا ہے، جبکہ بطورِ مفتی مسئلہ بتانا جدا چیز ہے اور ہم یہاں دوسری حیثیت کے اعتبار سے کلام کر رہے ہیں۔

اس مقصد کے حصول کے کچھ تقاضے یا چند شرائط ہیں اور دین و دنیا کی کامیابیوں میں عمومی اصول یہی ہے کہ کبھی بھی کوئی چیز اپنے تقاضے یا شرائط پوری کیے بغیر حاصل نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ کسی پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہو اور اللہ تعالیٰ اُسے وہ چیز خصوصی طور پر عطا فرما دے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں کامیابی کے حصول کے لیے کچھ اہم نکات پیش کرتا ہوں۔

پہلی اہم بات سعی، کوشش، محنت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ ترجمہ: اور یہ کہ انسان کے لیے وہی ہو گا، جس کی اُس نے کوشش کی۔ (1)

ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىٕكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ ترجمہ: اور جو آخرت چاہے اور اُس کی سی کوشش کرے اور ہو ایمان والا تو

---

1 ... (پارہ 27، سورۃ النجم، آیت 39)

انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی۔[1]

پھر بعض اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ایسے انداز میں بجالانے کا حکم دیا یا تعریف بیان فرمائی، جس سے اُس عمل کا حق ادا ہو جائے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖؕ اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ترجمہ:وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے،تو وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں، جیسا تلاوت کرنے کا حق ہے،یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔[2]

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ضرور تمہیں موت صرف اسلام کی حالت میں آئے۔[3]

ان آیات میں لفظ﴿حَقَّ﴾کے ساتھ اس عمل کو بیان فرمایا کہ تلاوت کرنے والے ﴿حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾کی رعایت کریں اور تقویٰ والے ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ کا تقاضا پورا کریں۔ جب کام کرنے میں ایسی کوشش کی جائے، جیسی کوشش کرنے کا حق ہے، تو خدا کے فضل و کرم سے نتیجہ مل کر رہتا ہے، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے، فرمایا:﴿وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ترجمہ:اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔[4]

ایک اور جگہ فرمایا:﴿وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰى﴾ ترجمہ :اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔[5]

1...(پارہ15،سورۃبنی اسرائیل،آیت19)

2...(پارہ1،سورۃالبقرۃ،آیت121)

3...(پارہ3،سورہ آل عمران،آیت102)

4...(پارہ21،سورۃالعنکبوت،آیت69)

5...(پارہ27،سورۃالنجم،آیت40)

ان آیات میں ہمارے لیے درس یہ ہے کہ کسی عمل کو ویسا کرنا چاہیے، جیسا اس کا حق ہے ،یہ اُس کام کو کرنے کا حقیقی طریقہ ہے۔اسی سے آپ حصولِ علم میں آگے بڑھنے اور خصوصا "**علمِ فقہ**" میں مہارت حاصل کرنے کا طریقہ سمجھ جائیں کہ فتویٰ نویسی کی دنیا میں تب آگے بڑھیں گے، جب ایسے آگے بڑھیں، جیسے آگے بڑھنے کا حق ہے،جب ایسے مطالعہ کریں گے، جیسا مطالعہ کا حق ہے،جب ایسے محنت کریں گے، جیسے محنت کا حق ہے،جب ایسے سیکھیں گے، جیسے سیکھنے کا حق ہے،جب ایسے علمی اِصلاح قبول کریں گے، جیسے اس کا حق ہے۔

ترقی و کامیابی کے اصول:

دینی امور ہوں یا دنیوی معاملات، اُن میں کامیابی کے لیے بنیادی اصول مشترک ہیں، جیسے مقصد کا تعین اور جہدِ مسلسل وغیرہ ،اِن اصولوں پر عمل کیے بغیر عموماً کامیابی مشکل سے ملتی ہے، پھر اِن کے ساتھ مزید بھی چیزیں ہیں، جن میں کچھ کو بہتر کرنے اور کچھ کو خود سے دور کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ آیئے اس حوالے سے اہم اصول سیکھتے ہیں، لیکن اصولوں سے پہلے ایک بڑا اصول ذہن میں بٹھالیں کہ **"معلوم" سے کچھ نہیں ہوتا، "معمول" سے ہوتا ہے** یعنی اصول جاننے، علم میں آجانے سے خود بخود کچھ نہیں ہوگا ،بلکہ ان اصولوں پر عمل کرنے سے فائدہ حاصل ہوگا۔ کسی چیز کے نسخے ہزار ہوتے ہیں، لیکن فائدہ اُسی کو ہوتا ہے، جو نسخہ استعمال کرے، لہٰذا جو بھی سوچیں، سنیں، سمجھیں، اُس پر عمل بھی کریں۔ **اب کامیابی کے اصول بیان کیے جاتے ہیں۔**

(1)اپنے حقیقی مقصد کے متعلق سوچنا، پھر اُسے متعین کرنا اور پھر اُس متعین مقصد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا:

ہمارا عمومی مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ مقصد کے بغیر زندگی گزارتے ہیں، جیسے مزدور

ہو یا نوکری پیشہ یا ملازم۔ اکثریت ایک لگے بندھے معمول کے مطابق اپنے کام کی تکمیل میں لگی رہتی ہے۔ اِس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ زندگی میں کسی بلند مقصد کے متعلق سوچتے نہیں یا سوچتے ہیں، لیکن سوچ کر اُسے متعین نہیں کرتے یا متعین کر بھی لیتے ہیں، تو ہمیشہ اُس کو سامنے نہیں رکھتے، جس وجہ سے "**بامقصد زندگی**" والا طرزِ حیات نظر نہیں آتا۔ اسے سمجھنے کے لیے "گوگل میپ/ Google Map" پر غور کرلیں۔ مثلاً: ہم سفر سے پہلے اپنی منزل گوگل میپ میں ٹائپ (Type) کرتے ہیں، مثلاً: مجھے یہاں سے حیدر آباد جانا ہے، حیدر آباد میں کس جگہ پر جانا ہے، اُسے لکھتے ہیں، پھر ہم دورانِ سفر دیکھتے رہتے ہیں، کہ ہم صحیح سمت جارہے ہیں یا نہیں؟ یوں ہم آسانی سے منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ منزل کے بارے میں سوچنا، پھر اسے متعین کرنا اور پھر اسے اپنے پیشِ نظر رکھنا ہے اور یہی ترقی اور کامیابی کے لیے پہلا قدم ہے۔

(2) مقصد کے حصول کا طریقہ کار نہایت واضح ہونا:

کامیابی اور ترقی کے لیے دوسری اہم بات یہ ہے کہ مقصد کا تعین کرلینے کے بعد اس کے حصول کا ایسا طریقہ منتخب کیا جائے جو بالکل واضح ہو۔ مثال کے طور پر دار الافتاء اہلسُنَّت کے علمائے کرام پہلی بات یہ سوچ لیں کہ ہمارے دارالافتاء کے کتنے شعبہ جات ہیں؟ جیسے فی الوقت ہمارے ہاں تحریری فتاوی لکھے جاتے، ای میل (E-Mail) اور واٹس اپ (WhatsApp) پر موصول ہونے والے سوالوں کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ اِسی طرح دار الافتاء میں شرعی مسائل معلوم کرنے کے لیے حاضر ہونے والوں کی رہنمائی، نیز فون سروس کے ذریعے دنیا بھر سے آنے والی کالز کے جواب دیئے جاتے ہیں۔ اِن تمام شعبوں میں سے ہر ایک کے لیے جداگانہ صلاحیت چاہیے، کیونکہ ہمارے دارالافتاء کے اندرونی نظام کے اعتبار سے جب واٹس اپ یا ای میل پر

جواب دیا جاتا ہے، تو تفصیل و اختصار کے اعتبار سے اِس کا انداز جدا ہوتا ہے اور جب دارلا فتاء کے باقاعدہ تحریری فتاویٰ لکھے جاتے ہیں، تو اس میں جواب کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، لیکن تحریری جوابات میں بہر حال جواب لکھنے والے کے پاس کتب بینی یامشاورت کرنے کا وقت ہوتا ہے، لیکن جب آپ فون پر جواب دیتے ہیں، تو عموماً فی البدیہہ یعنی فوراً جواب دیناہوتا ہے اور ہر مسئلے میں کتب بینی یا مشورے کا وقت بھی نہیں ہوتا، تو اب آپ کا علم جتنا زیادہ ہو گا، آپ اُتنا جلدی، درست اور عمدہ جواب دے سکتے ہیں، لہٰذا فون پر جواب دینے میں وسعتِ علمی ضروری ہے، پھر بالمشافہ (سامنے بیٹھ کر) سوال پوچھنے والے فرد کو جواب دینے میں مزید خوبیاں ہونا بھی ضروری ہوتی ہیں، کیونکہ جب آپ سائل کے ساتھ باقاعدہ گفتگو کرتے ہیں، تو بیسیوں چیزیں جیسے نفسیات ،سائل کی سوچ اوراُس کے اندازِ کلام وغیرہا کے اعتبار سے تمام چیزوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جواب دیتے ہیں اور یہ مرحلہ ہمارے دارالافتاء میں کافی آگے جا کر آتا ہے۔

اب اپنی علمی ترقی کے لیے پہلے آپ یہ دیکھ لیں کہ دارالافتاء کے کون کون سے شعبے ہیں اور آپ کہاں کھڑے ہیں؟ جہاں موجود ہیں، اُس میں خود کو بہترین اور کامل بنانے کا کیا طریقہ ہے اور جس اگلے مرحلے کی طرف جانا ہے، وہاں تک جانے کے تقاضے کیا ہیں؟ یہ دارالافتاء اہلسُنَّت کے اعتبار سے **"مقصد کے حصول کے لیے طریقہ متعین کرنے"** کی وضاحت ہے۔ نیزاس کے ساتھ مطلق علمی و فقہی صلاحیت بڑھانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ فقہ کے ابواب کی تقسیم کاری کرلیں، جیسے کثیر الاستعمال (یعنی جس باب کے متعلق زیادہ مسائل پوچھے جاتے ہیں جیسے نماز، طلاق وغیرہما)، قلیل الاستعمال (یعنی جس کے متعلق پہلی قسم سے کم مسائل پوچھے جاتے ہیں، جیسے کاروبار اور حلال و حرام کے مسائل)اور نادرالاستعمال (یعنی جن کے متعلق بہت ہی کم سوالات کیے جاتے ہیں، جیسے وکالت، گواہی، صلح وغیرہا)۔ ابوابِ فقہیہ

کی اس تقسیم کاری کے علاوہ، خود ہر باب کے مسائل میں بھی یہی تین طرح کی تقسیم ہو سکتی ہے جیسے نماز کے متعلق بہت زیادہ پوچھے جانے والے مسائل، پھر نماز کے متعلق کم پوچھے جانے والے مسائل پھر نماز کے متعلق بہت ہی کم پوچھے جانے والے مسائل۔

عموماً افتاء کے شعبے سے وابستہ علمائے کرام اِن باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ "**معلوم ہونا (یعنی مذکورہ اقسام کا علم ہونا)**" اور بات ہے اور "**معمول ہونا (یعنی ان اقسام کے مطابق مسائل کو یاد بھی کرلینا)**" کچھ اور بات ہے۔ معلوم ہونے کا فائدہ 10 فیصد ہے، بقیہ 90 فیصد کا دار و مدار "معمول ہونے" پر ہے کہ آپ کا اوپر بیان کردہ طریقے پر عمل بھی ہو۔

جب آپ یہ تعین کرلیں گے کہ ابواب اور مسائل دونوں میں کثیر الاستعمال اور قلیل الاستعمال اور نادر الاستعمال کون کون سے ابواب اور مسائل ہیں، تو آپ مطالعے میں اپنی توجہ بھی اسی کے مطابق رکھیں گے، یعنی کثیر الاستعمال پر زیادہ، قلیل الاستعمال پر اُس سے کم اور نادر الاستعمال پر سب سے کم۔ پھر آپ متعین کر سکیں گے کہ کن ابواب یا مسائل کا مطالعہ آپ نے ماہانہ بنیاد پر کرنا ہے، اور کن کا ششماہی بنیادوں پر اور کن ابواب و مسائل کو آپ سال میں صرف ایک بار پڑھیں گے۔

اسی اسلوبِ مطالعہ میں ایک اور مفید تر طریقہ یہ ہے کہ جس مہینے میں جس عقیدے یا فقہی باب کے مسائل زیادہ پیش آنے والے ہیں، اُس مہینے کے متعلقہ ایام آنے سے پہلے پہلے اس کا متنوع انداز میں مطالعہ کرلیا جائے، جیسے اتنا تو ہمیں پتہ ہے کہ رمضان کا مہینا آئے گا، تو رمضان کے مسائل پڑھیں گے، حج کا مہینا آئے گا، تو حج کے مسائل پڑھیں گے وغیرہا، لیکن اس میں مزید وسعت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سال بہارِ شریعت وغیرہ روٹین کی کتابوں سے مسائل پڑھنے کے ساتھ ایک نئی کتاب کا اضافہ کریں، مثلاً: آپ ایک سال بہارِ شریعت سے رمضان کے

مسائل پڑھیں اور ساتھ "الھدایۃ" سے بھی اُن مسائل کو پڑھیں۔ اگلے سال بہارِ شریعت کے ساتھ "الجوھرۃ النیرۃ" سے بھی مسائلِ رمضان پڑھ لیں، اس سے اگلے سال "المبسوط" سے بھی، اس سے اگلے سال "بدائع الصنائع" سے بھی؛ تو اِس طریقے سے آپ اپنے مطالعے میں مزید پختگی، عمدگی اور تازگی محسوس کریں گے، اگرچہ ایک کتاب سے بھی ہر سال پڑھنے سے مسائل پختہ ہوتے ہیں، لیکن کچھ سالوں کے بعد اکتاہٹ ہو جاتی ہے، کیونکہ عموماً جب کسی چیز میں یکسانیت آتی ہے، تو طبیعت اکتاہٹ کا شکار ہو جاتی ہے، لہٰذا دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ ہمارے مطالعے میں بھی تنوُّع ہونا چاہیے۔

یہاں فقہی مطالعے میں ایک اور طریقے کا اضافہ کرتا ہوں اور وہ بہت ہی دلچسپ اور مفید ثابت ہوتا ہے، وہ یہ کہ مسائل شرعیہ کو فقہی کتابوں سے ہٹ کر بھی پڑھیں، جیسے روزوں کے مسائل ہیں، تو انہیں قرآن مجید سے بھی پڑھیں، مثلاً: روزوں سے متعلق تمام آیات، جن میں روزوں کے احکام یا روزے داروں کے اَوصاف وغیرہا کا ذکر ہے، اُن کا مطالعہ کیا جائے، اِسی طرح روزوں سے متعلقہ احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے، جیسے "مشکاۃ المصابیح" وغیرہ سے روزوں کے متعلق ابواب پڑھ لیں اور "اشعۃ اللمعات" یا "مرقاۃ المفاتیح" یا "مرآۃ المناجیح" وغیرہا شروحات سے اُن کی شرح پڑھ لی جائے، اِس طریقے سے اچھا اور گہرا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

یاد رہے! اس طرح کا مطالعہ کرنے میں برسوں لگیں گے، کیونکہ شریعت محض دو چار ابواب یا چند مسائل کے مجموعے کا نام نہیں، بلکہ شرعی احکام کے مختلف اور کثیر ابواب اور ہزاروں، بلکہ لاکھوں مسائل و جزئیات ہیں، جیسے طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، طلاق، وراثت، بُیوع، اِجارہ، ہبہ، وصیت، قضا، وکالت، شرکت اور مضاربت وغیرہا، تو یوں کثیر اَبواب میں پھیلے

ہزاروں مسائل اور اُن کے دلائل ہیں، جن کا مطالعہ اس انداز سے کریں گے، تو زندگی کا ایک حصہ اِس پر صَرْف ہو گا، لیکن پھر وہ مقام آئے گا کہ اس مطالعے کا اظہار آپ کی تقریر و تحریر سے ہو گا اور لوگ خود آپ کی طرف رجوع کریں گے۔

یہاں ایک بات یاد رکھیں! حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو "مرجع" بنایا نہیں جاتا، وہ "مرجع" بن جاتا ہے اور عموماً اَن تھک محنت بندے کو اس مقام تک پہنچاتی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ اس انداز سے مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جب آپ کو طریقہ معلوم ہو اور پھر اُس کے مطابق اُس پر عمل ہو، تو ان شاء اللہ عزوجل مقصد حاصل ہو جائے گا۔

علم الفقہ اور علم الافتاء میں خصوصی مہارت ایک بلند اور عظیم مقصد ہے، اس مقصد کے حصول میں ایک منفرد اور نہایت مفید و معاون طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام اہلسنّت امام احمد رضا خان رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ نے جو فقاہت کی تعریف اور فقیہ کے لیے ضروری شرائط و اوصاف بیان فرمائے ہیں، ان کی لسٹ اپنے سامنے رکھیں اور غور کریں کہ آپ میں کتنے اوصاف موجود ہیں اور مزید کن اُمور پر محنت کی حاجت ہے۔ اگر اس طریقے پر بھی باقاعدہ عمل کریں، تو اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے واضح طریقہ متعین کرنے میں بہت آسانی ہو گی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فقاہت کی جو تعریف بیان کی ہے اور جن اُمور کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے کچھ چیزیں شروع ہی میں ضروری ہیں، کچھ درمیان میں اور کچھ اچھی مہارت کے حصول کے بعد ضروری ہیں۔ ان پر غور کر کے انہیں چند سالوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، مثلاً ہر سال تین مہارتوں پر زیادہ توجہ دیں، تو یوں دس سال میں تیس مہارتیں اور اوصاف حاصل ہو جائیں

گے اور بالآخر تمام یا اکثر اوصاف بھی۔

یاد رہے! ہزار میل کا سفر بھی پہلا قدم اٹھانے سے طے ہو گا۔ بیٹھے رہنے سے کبھی ایک کلو میٹر بھی طے نہیں ہو تا اور چلنے سے ہزار کلو میٹر کا سفر بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اور یہ یاد رکھیں کہ یہ جتنے طریقے بیان کیے گئے ہیں، حقیقی طور پر اِن سے فائدہ تب ہو گا کہ جب آپ اپنا احتساب بھی کرتے رہیں، کیونکہ اپنی خامیوں کی اصلاح کے چار طریقے ہوتے ہیں:

(1) مرشد کامل کی رہنمائی

(2) عَدُوِّ کامل کی تنقید

(3) صدیق کامل کی اصلاح

(4) احتسابِ نفس۔

فتوی نویسی کی دنیا میں وہ استاذ آپ کا رہنمائے کامل ہے جس کی زیر سرپرستی آپ فتویٰ لکھنا سیکھ رہے ہیں۔ بقیہ دشمن و دوست کا ملنا ذرا مشکل ہے اور چوتھا طریقہ بھی یہاں بہت مفید ہے کہ خود اپنا احتساب کرتے رہیں۔

(3) مواظبت (ہمیشگی):

اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس پر ہمیشگی ہو اور استقامت و تسلسل کے ساتھ محنت کی جائے، کیونکہ جب تک تسلسل نہیں ہو گا، تب تک کامیابی نہیں ہو گی، لہٰذا ہمیشگی اپنانی چاہیے، اگرچہ تھوڑا عمل ہو، حدیث مبارک میں خوبصورت اصول بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: "ان احب الاعمال الی اللہ ما دام و ان قل" ترجمہ: اللہ تعالٰی کے نزدیک سب

سے پسندیدہ عمل وہ ہے، جو ہمیشگی کے ساتھ ہو، اگرچہ تھوڑا ہو۔[1]

اور یہ عقل، نقل، نفسیات اور روحانیت سب کا مُسَلَّمہ اصول ہے کہ "**بہترین عمل وہ ہے، جو ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو۔**" زیادہ ہو گا، تو فائدہ بڑھ جائے گا، مطالعہ کرنا ہمیشہ ہو، مسائل پوچھتے رہنا ہمیشہ ہو، مسائل بتاتے رہنا بھی ہمیشہ ہو، لہذا تسلسل ہمیشہ برقرار رکھیں۔

(4) وقت کا بہترین استعمال:

اِس کا تعلق بھی اوپر والی تینوں چیزوں کے ساتھ ہے۔ اپنے اوقات کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ حدیث مبارک میں ہے: "نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ و الفراغ" ترجمہ: صحت اور فراغت دو ایسی نعمتیں ہیں، جن سے کثیر لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔[2]

ایک بزرگ نے تصوف کا حاصل کلام بیان فرمایا کہ تصوف کا نچوڑ یہ ہے: "استعمال الوقت بما ھو اَوْلیٰ" ترجمہ: وقت کو ایسے کام میں استعمال کرنا، جو سب سے بہترین ہو۔ سادہ الفاظ میں "**وقت کا بہترین استعمال**" تصوُّف کا نچوڑ ہے۔

بہترین چیز کو بہترین وقت میں، بہترین انداز میں کرنا، یہ وقت کا بہترین استعمال ہے۔ کن دنوں میں کیا مطالعہ کرنا ہے؟ جو مطالعہ کرنا ہے، اس میں سب سے اہم اور مفید ترین کیا ہے؟ پھر مطالعہ کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ اِن باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مطالعہ کرنا، مطالعہ کرنے میں وقت کا بہترین استعمال کہلائے گا۔

(5) اصولوں پہ عمل:

کامیابی اور ترقی کے لیے یہ اصول بھی نہایت اہم ہے کہ طے شدہ طریقے اور اُصول پر

1...۔ (صحیح بخاری، ج4، ص67، حدیث: 5861، دار طوق النجاۃ، بیروت)

2...۔ (صحیح بخاری، ج8، ص88، رقم الحدیث 6412، دار طوق النجاۃ، بیروت)

چلیں؛مزاج اور موڈ پر نہ چلیں ۔ عموماً موڈ اور مزاج بہت جلد متغیر ہو جاتا ہے، خاص طور پر ہمارے ہاں لوگوں میں بہت زیادہ تنوع مزاجی ہے۔اکثر طبیعت و مزاج ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا،اس پر قابو پانے کے لیے پوری مشق کرنی پڑتی ہے، جبکہ اصول یہ ہے کہ جو طریقہ کار آپ نے اپنے لیے طے کر لیا،اب آپ کا دل کرے یا نہ کرے، طبیعت مانے یا نہ مانے، آپ اُسے بہر صورت پورا کریں۔ موڈ اور مزاج پر چلیں گے، تو نماز کا بھی موڈ نہیں بنے گا یا وقت پر پڑھنے کے حوالے سے سستی ہو جائے گی، لیکن جب ہم اصول پر چلیں گے کہ موڈ ہو یا نہ ہو، نمازیں پڑھنی ہی ہیں اور اپنے وقت پر ہی پڑھنی ہیں۔

اس کو مزید اس بات سے سمجھ لیں کہ فرض نمازیں ہم پر لازم ہیں، لہٰذا پانچ نمازیں ہمارے معمول میں داخل ہیں، لیکن نوافل چونکہ ہماری طبیعت و اختیار پر چھوڑے گئے ہیں، لہٰذا نوافل میں سستی ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ موڈ کی بجائے حتمی فیصلہ کریں، کیونکہ طے کردہ چیز کو ہم کر ہی لیتے ہیں، جبکہ موڈ والی چیز کو کبھی کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے۔ آپ تحصیلِ علم اور مہارتِ افتاء میں بھی یہی طریقہ اختیار کریں کہ موڈ والے انداز پر نہ چلیں، بلکہ علمی و فقہی چیزوں میں جب آپ کوئی طریقہ کار طے کر لیں، تو پھر اس کی پابندی کریں، اسی سے کامیابی کی راہ کھلتی ہے۔

(6) کاموں کی حد بندی، پھر اُس کی پابندی:

ایک اصول جو حصول علم، بلکہ اچھی زندگی کے بہترین اصولوں میں سے ایک ہے، وہ ہے''کاموں کی حد بندی، پھر اُس کی پابندی''کسی مقصد کے حصول میں ناکامی کی بنیادی وجہ یہی بنتی ہے کہ یا تو ہمارے کاموں کی حد بندی ہی نہیں ہوتی یا پھر اُس کی پابندی نہیں ہوتی۔ ہمیں کیا کیا

کرنا ہے؟ کب کب کرنا ہے؟ یہ کاموں کی حد بندی کہلاتی ہے، پھر اس کی پابندی کرنی ہے، یعنی جو طے کر لیا، اس سے نہ کم کرنا ہے، نہ زیادہ۔ اس عزم مصمم کی طرف اشارہ ایک حدیث مبارک میں ملتا ہے، اگرچہ اس حدیث کی شرح میں کچھ علمی مباحث بھی ہیں۔ حدیث یہ ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے استفسار کیا: مجھے ایسی بات ارشاد فرمائیں کہ میں اس پہ عمل کروں اور جنت میں داخل ہو جاؤں؟ نبی مکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی عبادت کرنا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور فرض نمازوں کو قائم رکھنا اور فرض زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔" اس اعرابی نے عرض کی: "والذي نفسي بيده لا أزيد على هذا شيئاً ولا أنقص منه" یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں نہ تو اس پر کچھ اضافہ کروں گا، نہ اس سے کمی کروں گا۔ اس کے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من سره أن ينظر إلى رجل من أهل الجنة فلينظر إلى هذا" یعنی جو کسی جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ اس شخص کو دیکھ لے۔[1]

تو مطالعے میں بھی حد بندی بہت ضروری ہے یعنی یہ طے کر لینا کہ اتنے وقت میں اتنا مطالعہ کروں گا اور جو طے کیا، اس سے نہ کم کرنا ہے، نہ زیادہ۔ کم نہ کرنا تو واضح ہے، لیکن زیادہ نہ کرنے میں کچھ وضاحت کی حاجت ہے، وہ یہ ہے کہ ایک اعتبار سے زیادہ کرنے میں بھی مسئلہ ہے، مثلاً: آپ نے طے کیا کہ 2000 صفحے پڑھنے ہیں، تو تھوڑا سا مبالغہ کے ساتھ عرض ہے کہ اب نہ 1900 صفحات پڑھیں، اور نہ 2100 صفحات۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ 1900 پڑھیں گے، تو یہ آپ نے اپنی طے شدہ بات پوری نہیں کی، لیکن اگر 2100 پڑھیں، تو مسئلہ یہ ہے کہ بغیر متعین ہدف کے بس یوں محنت کرتے رہنا، انسان کے انتشارِ ذہنی یا اکتاہٹ کا سبب ہو جاتا ہے، اس وجہ

1...(صحیح بخاری، ج2، ص105، رقم الحدیث1397، دار طوق النجاۃ، بیروت)

سے کہ جب آپ دو ہزار طے کر کے دو ہزار پڑھیں گے، تو حصول مقصد کی خوشی آپ کو حاصل ہو جائے گی۔اب 2000 سے اوپر کی تو کوئی حد ہی نہیں، 2100 بھی دو ہزار سے اوپر ہے ،3100 بھی دو ہزار سے اوپر ہے، 4100 بھی دو ہزار سے اوپر ہے، 5100 بھی دو ہزار سے اوپر ہے، جب آپ اوپر کی پابندی نہیں کریں گے، تو نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ بہت زیادہ محنت کریں گے اور وہ محنت آپ کو توڑ دے گی، پھر اضافی محنت کی وجہ سے آپ بالکل منتشر ہو جائیں گے، کیونکہ انسان محدود ہے، لامحدود نہیں، یونہی ہمارے پاس وقت محدود ہے، لامحدود نہیں، اسی طرح ہم محدود پڑھ سکتے ہیں، جبکہ کتابیں لا محدود ہیں، لہٰذا جب آپ محدود میں لامحدود ڈالنے کی کوشش کریں گے، تو نقصان ہونے کا قوی اندیشہ ہو گا۔

دو طرح کے آدمی مصیبت میں ہوتے ہیں، ایک وہ جسے کچھ کرنا نہیں آتا اور دوسرا وہ جسے بہت کچھ کرنا آتا ہے، یہ دونوں مصیبت میں ہیں، جسے کچھ کرنا نہیں آتا، اس کا مصیبت میں ہونا واضح ہے کہ اس سے کچھ ہو نہیں رہا اور جسے بہت کچھ کرنا آتا ہے، وہ اِس مصیبت میں ہوتا ہے کہ وہ کیا کرے، وہ یہ بھی کرے، وہ بھی کرے، اِسے بھی کرے، اُسے بھی کرے، لیکن پھر نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی چیز مکمل نہیں ہو گی، کوئی چیز اچھی اور عمدہ نہیں ہو گی۔ 100 کتابیں لکھنا، ایسی ہزار کتابیں لکھنے سے بہتر ہے کہ جن ہزار کتابوں کو کوئی منہ نہ لگائے، 100 لکھ لی جائیں، لیکن وہ ایسی لکھی جائیں کہ جسے ہر کوئی پڑھے۔ کثرت، تعداد اور کَمِّیَّت کوئی بڑی چیز نہیں ہوتی، "معیار" اصل چیز ہے۔ تصوف کی پوری دنیا کا دارومدار "معیار" پر ہے، "مقدار" پر نہیں، اہل تصوف یہ نہیں کہتے کہ ایک لاکھ مرتبہ یہ پڑھو، بلکہ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار مرتبہ پڑھو، لیکن دل سے پڑھو، پڑھو ایسے جیسے کہ "ان تعبد اللہ کانك تراہ "یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو،

گویا تم اللہ کے جلووں کو دیکھ رہے ہو۔ [1] اس کیفیت کے ساتھ دو رکعت ایسی کیفیت کے بغیر ہزار رکعت سے اعلیٰ ہے۔

بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مزاج و طبیعت پر نہیں، بلکہ اُصول پر چلیں، اِس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ کی گھریلو زندگی، اِفتاء اور دیگر معاشرتی معاملات سب ٹھیک رہیں گے، قرآن نے راہِ اعتدال پر چلنے کے اصول کو یوں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:﴿ وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں، تو نہ حد سے بڑھتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان اعتدال سے رہتے ہیں۔“ [2]

افراط اور تفریط کے بین بین رہنا ہے۔ حدیث مبارک میں فرمایا: ”خیر الامور اوسطھا“ ترجمہ: اُمور میں بہترین طریقہ ”میانہ روی“ کو اختیار کرنا ہے۔ [3]

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”بیشک اللہ عدل اور احسان اور رشتے داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے۔“ [4]

عدل کا ایک معنیٰ اعتدال ہے اور اعتدال یہ ہے کہ آپ ہر چیز کو اس کا حق دیتے رہیں۔ [5]

ایسے ہی حدیث میں فرمایا: ”ان لجسدک علیک حقا و ان لعینک علیک حقا و

1...۔ (صحیح بخاری، ج1، ص19، الرقم: 50 دار طوق النجاۃ، بیروت)

2...۔ (پارہ19، سورۃ الفرقان، آیت 67)

3...۔ (المقاصد الحسنۃ، ص332، الرقم: 455، دار الکتاب العربی، بیروت)

4...۔ (پارہ14، سورۃ النحل، آیت 90)

5...۔ (تفسیر صراط الجنان، تحت ھذہ الآیۃ)

ان لزوجک علیک حقا"ترجمہ: تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے اور تمہاری زوجہ کا تم پر حق ہے۔[1]

یعنی اپنی عبادات، معاملات، گھریلو و معاشرتی زندگی، حقوق واجبہ، ہر ہر چیز کے لیے وقت مقرر کیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے، لہٰذا افتاء اور دیگر علمی امور کے لیے حدبندی کرنا اور پھر اس کی پابندی کرنا کامیابی کے لیے بہت ضروری ہے۔

پھر جو چیز آپ کے اختیار میں ہے، آپ وہ کریں، آپ کے اختیار میں محنت کرنا ہے۔ آپ محنت کریں، محنت کر کے نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں، آپ کو نتیجہ مل جائے گا۔

(7) توقعات کی دنیا زیادہ بڑی کر لینا:

یاد رہے کہ کامیاب نہ ہونے یا ناکامی کی ایک وجہ بہت زیادہ "**توقعات**" وابستہ کر لینا ہے اور اس کے پیچھے وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں پر قیاس کرتا ہے یا دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے، لیکن ہر بندے کی صلاحیت جدا ہوتی ہے، ہر بندے کا فیملی بیک گراؤنڈ (Family Background) جدا ہوتا ہے، ہر بندے کو ماحول جدا ملتا ہے، ہر آدمی کے لیے مواقع جدا ہوتے ہیں، ہر ہر بندے کے لیے ہر ہر شے سازگار ماحول کے ساتھ دستیاب ہو، ایسا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر کسی کو دنیا دیکھنے کا یا بڑے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا، تو اس کی وسعتِ ذہنی اُسی اعتبار سے ہو گی، ایک آدمی کو ایسا موقع میسر نہیں آیا، تو اس میں عموماً بلند سوچ کی کمی ہوتی ہے، اسی طرح کسی کا باپ یا دادا بہت بڑے عالم ہیں، تو اس کا جو ماحول چلتا آرہا ہے، وہ اور ہے، جبکہ دوسرا آدمی کسان فیملی سے ہے، اس کا ماحول کچھ اور ہے، ہو سکتا ہے کسان والا آگے نکل جائے، لیکن ظاہری احوال کا جو فرق ہے، وہ بعض اوقات اسی طرح ہوتا ہے کہ علمی بیک

1...۔ (صحیح البخاری، ج3، ص39، الرقم:1975، دار طوق النجاۃ، بیروت)

گراؤنڈ والے کو زیادہ مواقع ملتے ہیں، جبکہ اس کے مقابل دوسرے کے لیے ایسے مواقع کم ہوتے ہیں، اگرچہ اصل الاصول یہ ہے کہ بندے کی اپنی محنت اگر کماحقہ ہو، تو پھر وہ بصیر پور کے جنگل میں بیٹھ کر بھی **"فقیہ اعظم"** کا لقب پا سکتا ہے، (جیسے حضرت فقیہ اعظم مفتی نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہ الرحمۃ) اور دہلی وغیرہ مشہور علمی مراکز کے ہوتے ہوئے بھی بریلی جیسے نسبتاً غیر معروف اور چھوٹے شہر میں علم و عمل کی شمع فروزاں کرنے والا پوری دنیائے اہل سُنّت کا "امام" ہو سکتا ہے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔[1] تو علم کے لیے اصل چیز محنت ہے، باقی ساری چیزیں بعض اوقات ضمنی ہو جاتی ہیں۔

ہم عموماً یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں مختصر وقت میں بہت ساری چیزیں حاصل ہو جانی چاہییں، یوں ہماری توقعات بہت زیادہ ہو جاتی ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مقصد کا حصول ہمارے اختیار میں نہیں ہے، البتہ اس مقصد کے لیے **"محنت"** ہمارے اختیار میں ہے، ہم اس پر توجہ دیں، چیزیں اس کے ضمن میں آئیں گی۔ بندہ موجود ہونا چاہیے تبھی اس کا سایہ بنے گا، جس طرح بغیر آدمی یا بغیر کسی چیز کے وجود کے سائے کا وجود نہیں ہو سکتا، اسی طرح محنت کے بغیر پھل کا بھی وجود نہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا کہ انسان کو وہی ملتا ہے، جس کی وہ محنت و کوشش کرتا ہے۔ ﴿وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ ترجمہ: اور یہ کہ انسان کے لیے وہی ہو گا، جس کی اُس نے کوشش کی۔[2]

یہاں ایک اور چیز قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کبھی کبھار کامیابی کے راستے میں وقتی ناکامی بھی آتی ہے، وہ وقتی ناکامی "حوصلہ شکنی" کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے یا جو ہم نے سوچا تھا،

1... (پارہ 27، سورۃ الحدید، آیت 21)

2... (پارہ 27، سورۃ النجم، آیت 39)

وہ چیز حاصل نہ ہونے کے طور پر بھی ہو سکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر بندہ مسلسل محنت کرتا رہے اور ناکامی سے ہمت نہ ہارے، تو کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ بلند حوصلہ ہونے کا سب سے بڑا مصداق اور انطباق یہی صورت حال ہے۔ چلنے سے پہلے اس کی سوچ بلند ہوتی ہے۔ اس کی پختہ سوچ راستے کی رکاوٹوں کو کبھی اپنے رکنے کا سبب نہیں بننے دیتی۔ ایسے افراد کو ایک راستہ بند نظر آئے، تو وہ دوسرا راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ رکاوٹوں اور وقتی ناکامیوں سے ہمت نہ ہارنا "اولو العزمی" ہے، بندہ "اولو العزم" ہو جائے، تو ہزاروں خوبیاں اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں۔

لٰہذا ترقی کے لیے مزید راہیں تلاش کرنی چاہییں، جیسے بعض اوقات آپ دارالافتاء میں اپنے فتاویٰ مکمل کر چکے ہوتے ہیں اور اب آپ کے پاس فراغت ہے، تو اپنی صلاحیت بڑھانے کے لیے فتاوی کی تعداد بڑھا لیجیے یا جن فتاوی کو آپ تین گھنٹے میں حل کر رہے ہیں اور بقیہ تین گھنٹے بچ جاتے ہیں، تو وہ تین گھنٹے بچانے کی بجائے آپ اُن ہی فتاویٰ کے لکھنے کا انداز تحقیقی کر لیں، اس سے صلاحیت بڑھے گی، جیسے ایک کتاب کی بجائے پانچ کتابوں سے دیکھ لیں، ایک کتاب متن والی دیکھیں، جیسے کنزالدقائق، ایک شرح والی دیکھیں، جیسے بنایہ اور ایک علت والی دیکھیں، جیسے اللباب شرح قدوری، ایک حدیث سے دلیل والی، جیسے "تبیین الحقائق"، اس طریقہ پر عمل کرکے آپ اپنے اِسی کام اور تحقیق کا معیار بلند کر لیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر کوئی سادہ سا سوال آپ کو دیا جائے، تو آپ تھوڑی سی دیر میں اس کا جواب لکھ دیں گے، لیکن اگر اسی سوال کا جواب آپ "فتاوی نوریہ" سے پڑھیں، تو آپ کے جواب اور فتاوی نوریہ کے جواب میں تانبے اور سونے کا فرق ہو گا، کیونکہ فقیہ اعظم، حضرت مفتی نور اللہ بصیر پوری رَحۡمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ نے جس بلند نظری کے ساتھ کثیر کتابوں سے مراجعت کرکے اور جس جامعیت کے ساتھ لکھا ہو گا، وہ آپ کے فتوی میں نہیں ہو گا اور اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، الشاہ امام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز

کے فتاوی رضویہ کے فتاوی اس سے بھی بلند تر معیار پر ہوں گے، لہٰذا آپ کے فتووں میں جو کمی ہے، اسے دور کریں اور اس کی شروعات کے لیے ابتدا یہاں سے کریں کہ ایک مسئلے کو مختلف کتابوں سے دیکھیں، لیکن مختلف کتابوں سے دیکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے دس کتابوں سے ایک ہی عبارت دیکھ کر سب کو نقل کر دیا۔ ایک ہی عبارت دس کتابوں سے نقل نہ کریں، بلکہ دوسری وہ کتاب لیں، جس میں اس سے کچھ ہٹ کر ہو، جیسے متن کی عبارت کچھ اور ہو گی، شرح کی عبارت کچھ اور، علت کی عبارت اور ہو گی، اس کی حدیث کی عبارت کچھ اور ہو گی، "بدائع الصنائع" کا انداز کچھ اور ہو گا، "المبسوط" کا انداز کچھ اور ہو گا، "الفتاویٰ التاتار خانیة" کا کچھ اور ہو گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ فتوی لکھنے کے لیے مسئلے کو مختلف انداز میں دیکھیں، تو سیکھنے کے لیے یہ آپ کے وقت کا بہترین استعمال ہو گا۔

اسی بات کو تھوڑی سی مزید تفصیل سے سمجھیں۔ مثلاً: آپ کے پاس "کاروبار میں شرکت" کا ایک آسان سا سوال آیا، جس کا جواب آپ نے لکھ دیا، لیکن بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ تو آپ کو پہلے ہی سے معلوم تھا، تو آپ نے نیا کیا سیکھا؟ ایک فائدہ تو ہوا کہ آپ نے پہلے سے سیکھے ہوئے کو مضبوط کر لیا، یہ اچھی چیز ہے، لیکن اگر آپ علم میں مزید ترقی چاہتے ہیں، تو آپ کو چند طریقے پیش کرتا ہوں، اس پر عمل کریں، علم میں بہت اضافہ ہو گا۔

علمی اضافے کے لیے ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس باب کا مسئلہ ہے یا جہاں سے آپ نے یہ مسئلہ لکھا ہے، کم از کم ایک دو مسئلے اُس سے پہلے والے اور ایک دو مسئلے اُس کے بعد والے بھی اچھی طرح پڑھ لیں، تو ایک کے ساتھ چار مسائل مزید سیکھ لیں گے۔

علمی اضافے کے لیے دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس باب کا آپ نے جو مسئلہ لکھا ہے، اُسی فقہی باب کا جامع قسم کا ایک خلاصہ یا نقشہ بنا لیں۔

علمی اضافے کے لیے تیسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس باب کا آپ نے مسئلہ لکھا ہے، اس باب پر کون سے فقہی قواعد لاگو ہوتے ہیں؟ اور کون سے فقہی ضوابط استعمال کیے جاتے ہیں؟ کم از کم اُنہیں ایک مرتبہ دیکھ لیں، پھر اسی باب کے ”کتاب الفُرُوق“ میں جاکر اُس کے فرق پڑھیں یا اس کے نظائر میں جاکے اس کے نظائر پڑھیں، جب آپ اپنے اسی ایک مسئلہ کو اس انداز میں پڑھنے کی کوشش کریں گے، تو ان شاء اللہ عزوجل یہ آپ کی علمی ترقی کا سبب ہو گا۔

کسی مقام تک پہنچنے کے لیے یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ راستے کے نشیب و فراز، آزمائشوں اور وقتی ناکامیوں کو اپنے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دیں، بلکہ اِس کا متبادل حل ضرور رکھیں، جب سوچ عزم والی اور آگے بڑھنے کا جذبہ رکھنے والی ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسوں کے لیے راہیں کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ الَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بیشک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔(1)

اسی طرح حدیث مبارک ہے کہ جو علم کے راستے پر چلا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ جنت کے راستے سے مراد بھی مزید علم کا راستہ ہے، علماء نے اس کا ایک معنیٰ یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، یعنی علم ہی کا راستہ اُس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔(2)

(8) طویل مشقت کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا:

کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ طویل مشقت کے لیے خود کو تیار رکھیں اور گھبرائیں

1... (پارہ 21، سورۃ العنکبوت، آیت 69)

2... (جامع العلوم والحکم، ج3، ص1016، دار السلام)

نہیں، کیونکہ ناکامی کے اسباب میں سے ایک سبب ”طویل مشقت“ سے گھبرانا بھی ہے۔ اگر مقصد بڑا ہو، تو پھر طویل مشقت سے کبھی نہ گھبرائیں، کبھی بھی بڑی چیز کم وقت میں حاصل نہیں ہوتی، انگلش کا ایک محاورہ ہے ”Easy Come, Easy Go“ جو چیز آسانی سے ملتی ہے، وہ چیز آسانی سے چلی بھی جاتی ہے۔ مثلاً: اگر سو صفحے کی کتاب آپ نے پندرہ منٹ میں مطالعہ کرلی، تو وہ اگلے پینتیس منٹ میں ذہن سے نکل بھی جائے گی، جبکہ جو سو صفحے آپ نے تین دن میں پڑھے، تو وہ کم از کم نو مہینے آپ کے دماغ میں رہیں گے۔ الغرض ہر شے وقت لیتی ہے، جیسے اعلیٰ حضرت رَحۡمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ سے سوال ہوا کہ راہِ معرفت کتنے عرصے کے مجاہدے کے بعد کھلتی ہے، فرمایا 80 سال، یعنی اَسّی سال مجاہدہ کرے، تو معرفت کی راہیں کھلتی ہیں، ہاں! فضل الٰہی اپنی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اللہ اپنی طرف چُن لیتا ہے جسے چاہتا ہے۔“[1] جسے فضلِ الٰہی چُن لیتا ہے، تو اسے جلد راستہ طے کروا دیتا ہے، اسی طرح جو علم کا راستہ ہے، یہ بھی کبھی ایک دو سال میں طے نہیں ہوتا، بالخصوص علم الفقہ کہ اس علم کی پوری وسعت بیان کی جائے، تو شاید آدمی ہمت ہی ہار جائے، کیونکہ آج جدید دور ہے، ایک سے بڑھ کے ایک مسئلہ پیش آرہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی جدت کے ساتھ آنے والی چیزوں کو اتنے قلیل وقت میں حاصل کرلیا جائے، لہٰذا اس میں عرصہ لگتا ہے، آپ تسلسل اور محنت پر توجہ دیں۔ علم میں آگے بڑھتے رہیں، سب فضل و کمال اور تفوق و امتیاز اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

(9) افادہ و استفادہ دونوں کو جاری رکھنا:

علمی ترقی و کامیابی کے لیے ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ ”افادہ“ اور ”استفادہ“ جاری رکھیں۔ ”الافادۃ للناس“ اور ”الاستفادۃ من الناس“ صرف کتابوں سے علم حاصل نہ کریں،

---

1 ... (پارہ 25، سورۃ الشوریٰ، آیت 13)

بلکہ اہلِ علم سے بھی استفادہ ضرور کریں، کیونکہ بعض دفعہ کسی صاحبِ علم کی دو منٹ کی گفتگو، ہمارے لیے ہزار صفحے کی کتاب پڑھنے پر بھاری ہوتی ہے اور وہ جو مشہور شعر ہے کہ

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اس شعر کے کئی مفاہیم ہیں، ایک مفہوم یہ ہے کہ ہزار سال عبادت کے ساتھ بندہ معرفت کی وہ باریکی اور اہم چیز نہیں سمجھ پاتا، جو کسی صاحبِ معرفت کی بارگاہ میں بیٹھ کر ایک ساعت میں سیکھ لیتا ہے۔ راہِ سلوک کا مسافر کبھی کسی مقام پر اٹک جاتا ہے اور اسے سمجھ نہیں آتی کہ یہاں سے نکلنا کیسے ہے، تو مرشد کامل بتادیتا ہے کہ یہاں سے یوں کر کے نکلنا ہے، علمِ فقہ میں بھی ایسے ہی حالات پیش آتے رہتے ہیں، لہٰذا اہلِ علم سے استفادہ ضرور کریں اور ان سے کبھی خود کو مستغنی نہ سمجھیں۔

میں اپنا ایک واقعہ بتاتا ہوں کہ ایک مرتبہ میرا کسی ملک جانا ہوا، وہاں ایک اچھے صاحبِ مطالعہ، عالمِ دین تھے، وہ آئے اور فرمانے لگے کہ مجھے چند مسائل پر آپ سے مشورہ کرنا ہے، میں نے کہا: وہ مسائل پوری تفصیل سے بتادیں، پھر جو عرض کرنا ہوا، وہ کر دوں گا۔ انہوں نے جو مسئلہ بیان کیا اس پر انہوں نے شاید متعدد کتابیں پڑھی ہوئی تھیں، لیکن ان کے بیان کرتے کرتے میں سمجھ گیا کہ فلاں جگہ اِنہوں نے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور یہاں سے کسی اور نتیجے کی طرف چل پڑے ہیں۔ ان کی تمام گفتگو سننے کے بعد میں نے ان سے کہا: دیکھیں یہاں آکے آپ نے جو نتیجہ نکالا، وہ درست نہیں اور اسی نتیجے پر مزید بنیاد رکھ کر آگے بڑھنے کی وجہ سے مزید غلط سمجھتے رہے، حالانکہ آپ کی تحقیق کے فلاں مرحلے پر نتیجہ یہ نکلتا تھا، جس کے ساتھ فلاں شرط بھی تھی۔ میری بات سن کر پہلے تو وہ صاحبِ علم دو تین منٹ مبہوت ہوگئے، پھر کہنے لگے: اللہ اکبر! مجھے ایک سال ہوگیا اس مسئلے پر مطالعہ کرتے ہوئے، لیکن اس کے باوجود نتیجہ غلط ثابت

ہوا۔ پھر انہوں نے کہا کہ مجھے آج سمجھ آئی کہ صرف کتابیں پڑھنا ہی کافی نہیں ہوتا، کسی کے علم سے استفادہ بھی نہایت ضروری ہے اور اسی سے بہت سی الجھنیں دور ہوتی ہیں۔

یہ واقعہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اِستفادہ ہمیشہ جاری رکھیں لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری نصیحت بھی ہے کہ اِفادہ یعنی دوسروں کو سکھانا بھی جاری رکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خیر الناس من ینفع الناس" ترجمہ: لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے، جو لوگوں کو زیادہ نفع / فائدہ دے۔[1]

"افادہ" یعنی دوسروں کو سکھانے سے علم پختہ ہوتا ہے اور "استفادہ" سے اُس میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب سیکھتے ہیں، تو علم میں اضافہ ہوتا ہے اور جب دوسروں کو سکھاتے ہیں، تو علم زیادہ پختہ ہو جاتا ہے۔

(10) اصلاح قبول کرنے کے لیے تیار رہیں:

فتویٰ نویسی میں درستی، اصلاح اور پختگی کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ کسی فتوی میں جو غلطی ایک مرتبہ سمجھا دی جائے، وہ حتی الامکان دوبارہ کبھی نہ کی جائے، خصوصاً اصلاح پر زیادہ توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہونے والی غلطی زیادہ سنگین ہے، کیونکہ جب آپ دوبارہ وہی غلطی کرتے ہیں اور اس میں یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ آپ نے اپنے استاذ کی بات کو اہمیت نہیں دی، تو آپ مُرَبّی کے دل سے اتر جاتے ہیں۔ جب محنت اور کوشش کے باوجود غلطی ہوتی ہے، وہاں کی نوعیت اور ہے کہ یہ بشری تقاضا ہے، لیکن جہاں غلطی جرأت اور اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ہوتی ہے، وہاں کی صورت کچھ اور ہوتی ہے۔ پھر جو غلطیاں بتائی جائیں، انہیں اپنے پاس لکھ کر محفوظ کر لیں اور وقتاً فوقتاً پڑھتے رہیں، تاکہ یاددہانی ہوتی رہے۔ نیز اپنی غلطی کے منشاء و سبب پر بھی توجہ کریں کہ

---

1 ... (کنز العمال، ج16، ص128، رقم الحدیث: 44154، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

آپ سے جو غلطی ہوئی، اس کا سبب کیا تھا، مثلاً قلتِ مطالعہ کی وجہ سے، یا قلتِ تدبر کی وجہ سے یا سوال کو توجہ سے نہ پڑھنے کی وجہ سے یا فتویٰ لکھ کر دوبارہ تنقیدی نگاہ سے نہ پڑھنے کی وجہ سے، یا حشو و زوائد کی وجہ سے یا مسئلہ شرعیہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہ کرنے کی وجہ سے یا ترتیب میں کمزوری کی وجہ سے وغیرہا۔ الغرض! غلطی کا سبب معلوم ہو جائے، تو پوری محنت سے اس سبب کا ازالہ کریں۔

(11) اپنی صلاحیتیں اور وقت ایک یا دو بڑے کاموں کے لیے وقف کر دیں:

انسان زندگی میں بڑے اور مرکزی کام ایک یا دو ہی کر سکتا ہے، اگر کوئی بہت سارے کام کرنے لگے، تو اگر اللہ تعالیٰ نے اُسے بہت ہی غیر معمولی صلاحیت دی ہو، تب تو وہ کر لے گا، لیکن فطرتِ انسانی اور تجربۂ انسانی یہ ہے کہ انسان کوئی بڑا کام ایک ہی کر سکتا ہے۔ علامہ ابن جوزی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اِس پر "صید الخاطر" میں لکھا ہے کہ میں نے جب عبادت گزاروں کے واقعات پڑھے، تو میں نے نیت کی کہ میں اُن جیسا "عابد" بنوں گا، جب میں نے مال داروں کو دیکھا، تو میں نے کہا کہ میں ان جیسا "مال دار" بنوں گا، وغیرہا وغیرہا، لیکن سب دیکھنے کے بعد جب زندگی کو دیکھا، تو سمجھ آیا کہ میں سب کچھ نہیں بن سکتا، تو پھر میں نے علم کا شعبہ اختیار کیا اور اس میں بھی مخصوص شعبوں کو اختیار کیا۔

بڑے بڑے علماء بھی پوری زندگی میں ایک یا دو ہی بڑے کام کر پاتے ہیں اور بقیہ کاموں کو ضمنی ہی کر پاتے ہیں، مثلاً: یہ خواہش رکھنا کہ بیک وقت مقرر شعلہ بیان اور محقق دوراں بھی بن جائیں، صوفی باصفا اور بہترین مدرس بھی بن جائیں، اعلیٰ پائے کے مصنف اور بہت زیادہ مال دار بھی ہو جائیں، الغرض! عزت، دولت، شہرت، علم وغیرہا سب چیزیں کمال درجے کی حاصل ہوں، یہ خواہش عموماً کبھی پوری نہیں ہوتی۔ جو لوگ اِن تمام خواہشات و مقاصد کو اکٹھے لے کر چلتے

ہیں، انہیں ہر چیز سے تھوڑا تھوڑا سا حصہ ملتا ہے۔ یاد رکھیں! **علم آپ کو تب تک اپنا تھوڑا سا حصہ نہیں دیتا، جب تک آپ اسے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ نہیں دے دیتے،** لہٰذا فتویٰ نویسی سیکھنے کے ساتھ آپ بہت سارے کام شروع کر دیں گے، تو پھر آپ افتاء میں زیادہ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

اس کے ساتھ دوسری بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اگر آپ نے علمی فقہی اور افتاء والی مصروفیت کے ساتھ کوئی دوسرا بڑا کام نہ بھی کیا، لیکن حال یہ ہو کہ خود اس علمی فقہی دنیا میں بھی زیادہ کچھ نہیں کیا، تو بھی نتیجہ ناکامی ہے، کیونکہ انسان فارغ نہیں بیٹھتا، انسان کی فطرت فارغ بیٹھنے کی نہیں ہے، جب انسان کام کی چیز نہیں کرتا، تو پھر فضول کام کرتا ہے، لہٰذا نہ تو آپ نے افتاء کے ساتھ بہت سارے دیگر کام کرنے ہیں اور نہ ہی افتاء کے ساتھ فارغ رہنا ہے۔ فارغ نہ بیٹھیں اور وقت کو فضول مصروفیات میں نہ گزاریں جیسے موبائل، ٹی وی، نیٹ وغیرہا، اسی طرح فضول دوستیاں، فضول شاعری، ناول، اس طرح کی چیزوں میں لگے رہنا، یہ سب فضولیات میں آتے ہیں اور ہماری شریعت نے تو فضول و لایعنی چیزیں چھوڑنے کی تعلیم دی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے: "من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ" ترجمہ: کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے کار باتیں چھوڑ دے۔[1]

آپ کا وقت یا تو علمی کام میں گزرے خصوصاً فقہ و افتاء کے کاموں میں یا اسی کے ساتھ مزید علم مثلاً: سیرت، تصوف، تفسیر وغیرہا میں، یا علم کے ساتھ عمل ہو، عبادت ہو، کیونکہ ظلمت اور نور دونوں جمع نہیں ہو سکتے، گناہوں سے تلوُّث علم کے نور کو گدلا کر دیتا ہے۔ کھیلوں سے ممانعت کرنے میں شریعت کی جو حکمت ہے، وہ یہ ہے کہ لذتِ لہو انسان کو غافل کر دیتی ہے، مفید

---

1 ... (مسند احمد، ج3، ص259، رقم الحدیث 1737، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

کاموں سے دور کر کے لایعنی کاموں میں ڈال دیتی ہے، لہٰذا اپنے تحصیلِ علم کے زمانے میں اپنی زندگی میں بڑے بڑے کام بھی شروع نہ کریں اور نہ ہی فضول کاموں میں پڑیں۔

(12) علم کی دنیا میں ایک لفظ کو اپنے دل و دماغ میں بٹھالیں:

عمل کے بغیر علم کی حیثیت روح کے بغیر جسم جیسی ہے۔ باعمل عالمِ دین بننے کے لیے قرآن کریم میں بیان کردہ ایک لفظ ہمیشہ کے لیے یاد کرلیں۔ اگر یہ لفظ ہمارے ذہن میں بیٹھ جائے اور خود کو اُس کے مطابق بنانے کی کوشش کریں، تو شاید ہماری زندگی کی بہت سی جہتیں نہایت عمدہ اور شاندار ہو جائیں، وہ لفظ ہے "**عالم ربانی**" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ترجمہ: بلکہ وہ یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس لیے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے ہو۔[1]

اپنے دل میں یہ بات پختگی کے ساتھ طے کرلیں کہ مجھے صرف "عالِم" نہیں، بلکہ "عالِمِ ربانی" بننا ہے۔ عالم ربانی وہ ہے، جس کا خالق کے ساتھ بندگی کا اور مخلوق کے ساتھ تربیت کا تعلق ہے۔ ربانی میں لفظ "رب" سے بھی نسبت ہے یعنی "رب والا" اور اس میں تربیت کا مفہوم بھی ہے یعنی مخلوق کے لیے مربی۔ اگر ہم عالم ربانی بننے کا عزم اپنے سامنے رکھیں، تو ہر قدم پر خود کو پرکھ سکیں گے کہ میرا فلاں کام، فلاں عمل، فلاں گفتگو عالمِ ربانی کے شایانِ شان ہے یا نہیں؟

نہایت اہم بات:

ان تمام علمی اُمور کے ساتھ ایک اور چیز عرض کروں کہ افتاء کا تعلق "علم فقہ" سے ہے اور علم "دین" ہے اور دین وہ ہے، جس میں ہر شے کا تعلق خدا کے ساتھ ہو، جب آپ تعلق باللہ سے دور ہو کر علم حاصل کریں گے، تو اس میں برکت اور خدا کی مدد نہیں آئے گی۔

1... (پارہ3، سورۃ آل عمران، آیت80)

فقاہت سے متعلقہ اُمور جنہیں اعلیٰ حضرت رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ نے بیان کیا ہے، اس میں آخری پوائنٹ یہ ہے کہ "یہ علم فقہ وہ نور ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اپنے بندے کے دل میں اِلقاء فرماتا ہے۔" اور اسے اعلیٰ حضرت رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ نے سب سے اہم چیز قرار دیا ہے اور یہ حقیقت ہے۔ اگر علم دین اور علمِ فقہ کو ایسے سمجھ کر چلیں گے جیسے دنیوی اعتبار سے ایف اے، بی اے اور ایم اے کو سمجھتے ہیں کہ اکثر صرف ڈگری مقصود ہوتی ہے، تو اس صورت میں بندے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، جبکہ آپ کا شعبہ علمِ دین ہے، لہٰذا آپ کو تعلق باللہ والے مفہوم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علم کی راہ پر چلنا ہے۔

تعلق باللہ کے آثار و علامات میں عبادت، خشیت، دعا، تضرع، ذکر و فکر سب شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اذۡكُرۡ رَّبَّكَ فِیۡ نَفۡسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیۡفَةً وَّ دُوۡنَ الۡجَهۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ وَ لَا تَكُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ﴾ ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور بلندی سے کچھ کم آواز میں، صبح و شام، اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔[1]

اس کے علاوہ جتنی بھی آیات ہیں، جس میں ﴿بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ﴾، ﴿بُكۡرَةً وَّ عَشِیًّا﴾، ﴿بُكۡرَةً وَّ اَصِیۡلًا﴾ اور اس کے ساتھ ذکر الٰہی، رجوع الی اللہ کا بیان ہے اور جتنی بھی آیات اذکار، آیاتِ بندگی، آیاتِ عبادت، آیاتِ عبدیت، آیاتِ عبودیت، آیاتِ صالحین، اور اوصافِ مؤمنین ہیں، خواہ وہ "مُخۡبِتِیۡن" ہیں یا "صالحین" یا "خاشعین" یہ سب صفات مطلق مومن کی ہیں، اس مطلق مؤمن کے ساتھ جتنا بڑا دینی منصب ہو گا، اتنی ہی بڑی ذمہ داری بن جائے گا، جو جتنا بڑا عالم ہے، وہ اتنا بڑا مخبتین میں، صالحین میں، عالمین میں، خاشعین میں، صابرین میں، متوکلین میں، شاکرین میں داخل ہونا چاہیے، لہٰذا علم کے راستے پر کبھی بھی رجوع الی اللہ کو

1... (پارہ9، سورۃ الاعراف، آیت 205)

فراموش کر کے اور عبدیت و عبودیت سے غافل ہو کر نہ چلیں ،یوں اس راہ پر چلیں گے، تو "زاہدِ خشک " کیا، زاہد بھی نہیں بنیں گے،اور پھر یہ علم صرف دنیا بن جائے گا، اس علم میں تائیدِ ربانی حاصل نہیں ہو گی، لہٰذا اپنے علم کو رجوع الی اللہ کے ساتھ ملا کر رکھیں اور یہ وصف اس وقت حاصل ہو گا، جب رجوع الی اللہ مسلسل ہو اور رجوع الی اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ فرائض وواجبات کے علاوہ اپنے اوقات کا کچھ مزید حصہ بندگی، تلاوت، ذکر و اذکار، توبہ استغفار ، اور نوافل میں گزاریں۔ صالحیت، راسخیت اور صفتِ ربانیت اِن چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی معنیٰ میں عالمِ ربانی بنائے۔

(آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدیثِ پاک

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

”مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی فقاہت عطا فرمادیتا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب العلم، ص 39، حدیث 71، مطبوعہ ریاض)

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net